

تفسير القرآن

العلق

(94)

العلق

نام | دوسری آیت کے لفظ علق کو اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول | اس سورۃ کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ لآخر اُس سے شروع ہو کر پانچویں آیت کے الفاظ مَا لَكُمْ يَوْمَ يَوْمٍ يَوْمًا ہے، اور دوسرا حصہ کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا فِطْرًا سے شروع ہو کر آخر سورۃ تک چلتا ہے۔ پہلے حصے کے متعلق علمائے اہل سنت کی عظیم اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس معاملہ میں حضرت عائشہ کی وہ حدیث جسے امام احمد بخاری، مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد مسندوں سے نقل کیا ہے، صحیح ترین احادیث میں شمار ہوتی ہے، اور اس میں حضرت عائشہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آغازِ وحی کا پورا قصہ بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری اور صحابہ کی ایک جماعت سے بھی یہی بات منقول ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی آیات جو حضرت پر نازل ہوئیں وہ یہ تھیں۔ دوسرا حصہ بعد میں اُس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابو جہل نے آپ کو دھکیا دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔

آغازِ وحی | محدثین نے آغازِ وحی کا قصہ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ امام زہری سے، اور انہوں نے حضرت عروہ بن زبیر سے اور انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا پچھتے (اور بعض روایات میں ہے اچھے) خوابوں کی شکل میں ہوئی۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپ تنہائی پسند ہو گئے اور کئی کئی شب و روز غارِ حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے (حضرت عائشہ نے عُنْثُ كَالْفِطْرِ استعمال کیا ہے جس کی تشریح امام زہری نے تعبیر سے کی ہے۔ یہ کسی طرح کی عبادت تھی جو آپ کرتے تھے، کیونکہ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عبادت کا طریقہ نہیں بتایا گیا تھا)۔ آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جا کر وہاں چند روز گزارنے، پھر حضرت خدیجہ کے پاس واپس آتے اور وہ مزید چند روز کے لیے سامان آپ کے لیے مہیا کر دیتی تھیں۔ ایک روز جبکہ آپ غارِ حرا میں تھے، بیکایک آپ پر وحی نازل ہوئی اور فرشتے نے آکر آپ سے کہا پڑھو۔ اس کے بعد حضرت عائشہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقل نقل کرتی ہیں کہ میں نے کہا ”میں تو بڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھیجا یہاں تک کہ

میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ میں نے کہا "میں تو پڑھ چاہتا ہوں۔" اس نے دوبارہ مجھے بھیجنا اور میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ میں نے پھر کہا "میں تو پڑھ چاہتا ہوں۔" اس نے تیسری مرتبہ مجھے بھیجنا بیان تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "قرآن یا سحر دیکھ کر اللہ فی خلقہ (پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا) بیان تک کہ مَا كُنْتُمْ لَكُمْ رُجُوعًا وہ نہ جانتا تھا، تک پہنچ گیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پختے لرزتے ہوئے وہاں سے پلٹے اور حضرت خدیجہ کے پاس پہنچ کر کہا "مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ" چنانچہ آپ کو اڑھا دیا گیا۔ جب آپ پر سے خوب نزدیکی کی کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے فرمایا "اسے خدیجہ، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟" پھر سارا قصہ آپ نے ان کو سنایا اور کہا "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔" انہوں نے کہا "ہرگز نہیں، آپ خوش ہو جائیے، خدایا تم، آپ کو خدایا بھی رسوا نہ کرے گا۔" آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ امانتیں ادا کرتے ہیں، مایہ سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، سہان نوازی کرتے ہیں، اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ پھر وہ حضور کو ساتھ لے کر ذوق بن نوح کے پاس گئیں جو ان کے چچا زاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، عرونی اور عربانی میں انجیل لکھتے تھے، بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ نے ان سے کہا بھائی جان، ذرا اپنے بیٹے کا قصہ سنیے۔ ذوق نے حضور سے کہا "معتبے تم کو کیا نظر آیا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا۔ ذوق نے کہا "یہ وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔" کاش میں آپ کے زمانہ نبوت میں قوی جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟" ذوق نے کہا "ہاں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ لانے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔" اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پُرزور مدد کروں گا، مگر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ذوق کا انتقال ہو گیا۔

یہ قصہ خود اپنے منہ سے بول رہا ہے کہ فرشتے کی آمد سے ایک لمحہ پہلے تک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے خالی الذہن تھے کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اس چیز کا طالب یا متوقع ہونا تو درکنار آپ کے ذہم و دکان میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا کوئی معاملہ آپ کے ساتھ پیش آئے گا۔ وحی کا نزول اور فرشتے کا اس طرح سامنے آنا آپ کے لیے اچانک ایک حادثہ تھا جس کا پہلا تاثر آپ کے اوپر ہی ہوا جو ایک بے خبر انسان پر اتنے بڑے ایک حادثہ کے پیش آنے سے فطری طور پر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اسلام کی دعوت لے کر آئے تو مکہ کے لوگوں نے آپ پر ہر طرح کے

اعتراضات کیے، مگر ان میں کوئی یہ کہنے والا نہ تھا کہ ہم کو تو پہلے ہی یہ خطرہ تھا کہ آپ کوئی دعویٰ کرتے رہتے ہیں کیونکہ آپ ایک مدت سے نبی بننے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

اس قصے سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کی زندگی کیسی پاکیزہ تھی اور آپ کا کردار کتنا بلند تھا۔ حضرت خدیجہ کوئی کم سن خاتون نہ تھیں بلکہ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی اور پندرہ سال سے وہ حضور کی شریک زندگی تھیں۔ بیوی سے شوہر کی کوئی کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی۔ انہوں نے اس طویل ازدواجی زندگی میں آپ کو اتنا عالی مرتبہ انسان پایا تھا کہ جب حضور نے ان کو غار حراء میں پیش آنے والا واقعہ سنایا تو بلا تامل انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ فی الواقع اللہ کا فرشتہ ہی آپ کے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ اسی طرح ذر قہ بن و نخل بھی مکہ کے ایک بوڑھے باشندے تھے، پچھن سے حضور کی زندگی دیکھتے چلے آ رہے تھے، اور پندرہ سال کی قریبی رشتہ داری کی بنا پر تو وہ آپ کے حالات سے اور بھی زیادہ گہری واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی جب یہ واقعہ سنا تو اسے کوئی دُشوار نہ سمجھا بلکہ سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک بھی آپ اپنے بلند پایہ انسان تھے کہ آپ کا نبوت کے منصب پر فراز ہونا کوئی قابلِ تعجب امر نہ تھا۔

دوسرے حصے کی شان نزول | اس سورہ کا دوسرا حصہ اُس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنی شروع کی اور ابو جہل نے آپ کو ڈرا دھمکا کر اس سے روکنا چاہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نبی ہونے کے بعد قبل اس کے کہ حضور اسلام کی علانیہ تبلیغ کا آغاز کرتے، آپ نے حرم میں اُس طریقہ پر نماز ادا کرنی شروع کر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی تھی، اور یہی وہ چیز تھی جس سے قریش نے پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ آپ کسی نئے دین کے پیرو ہو گئے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اسے ہجرت ہی کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، مگر ابو جہل کی رگ جاہلیت اس پر پھوٹ اٹھی اور اس نے آپ کو دھمکانا شروع کر دیا کہ اس طریقہ پر حرم میں عبادت نہ کریں۔ چنانچہ اس سلسلے میں کئی احادیث حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں جن میں ابو جہل کی ان بیہودگیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ ابو جہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹکاتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا "لات اور عزیٰ کی قسم، اگر میں نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا۔ پھر ایسا ہوا کہ حضور کو نماز پڑھتے دیکھ کر وہ آگے بڑھا تا کہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھے، مگر یکایک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اُس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا میرے اور اُن کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہوناک چیز تھی اور کچھ پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب پھٹتا تو مالاںک اُس کے جوتھڑے اڑا دیتے (احمد، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مرفوعہ، ابوالخیم مصنفاتی بیہقی)۔

ابن عباس کی روایت ہے کہ ابو جہل نے کہا اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اُن کی گردن پاؤں تلے دبا دوں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو مالاںکہ علانیہ اُسے آپکڑیں گے (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن جریر، عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن مرفوعہ)۔

ابن عباس کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل کا اُدھر سے گزر ہوا تو اس نے کہا اے محمد کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اور اس نے آپ کو دھکیا دینی شروع کیں۔ جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سختی کے ساتھ جھڑک دیا۔ اس پر اس نے کہا اے محمد، تم کس بل پر مجھے ڈراتے ہو۔ خدا کی قسم، اس وادی میں میرے حمایتی سب سے زیادہ ہیں۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن ابی خنیبہ، ابن المنذر، طبرانی، ابن مرفوعہ)۔

انہی واقعات پر اس سورہ کا وہ حصہ نازل ہوا جو کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ كَبِيْطْفٰی سے شروع ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر اس حصے کا مقام وہی ہونا چاہیے تھا جو قرآن کی اس سورہ میں رکھا گیا ہے۔ کیونکہ پہلی وحی نازل ہونے کے بعد اسلام کا اولین اظہار حضور نے نماز ہی سے کیا تھا، اور کفار سے آپ کی ٹھہیر کا آغاز بھی اسی واقعہ سے ہوا تھا۔

رُكُوْعُهَا ۱

سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ

آيَاتُهَا ۱۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ
وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵

پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جھے ہوئے خون کے
ایک دھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے
ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

۱۔ جیسا کہ ہم نے دیا ہے بیان کیا ہے، فرشتے نے جب حضور سے کہا کہ پڑھو، تو حضور نے جواب دیا کہ میں
پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نے وحی کے یہ الفاظ لکھی ہوئی صورت میں آپ کے سامنے پیش
کیے تھے اور انہیں پڑھنے کے لیے کہا تھا کیونکہ اگر فرشتے کی بات کا مطلب یہ ہوتا کہ جس طرح میں بولنا چاہوں آپ اسی
طرح پڑھنے جائیں، تو حضور کو یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

۲۔ یعنی اپنے رب کا نام لے کر پڑھو، یا بالفاظ دیگر بسم اللہ کہو اور پڑھو۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کے آنے سے پہلے ہی صورت اللہ تعالیٰ کو اپنا رب جانتے اور مانتے تھے۔ اسی لیے یہ کہنے کی
کوئی ضرورت پیش نہیں آئی کہ آپ کا رب کون ہے، بلکہ یہ کہا گیا کہ اپنے رب کا نام لے کر پڑھو۔

۳۔ مطلقاً "پیدا کیا" فرمایا گیا ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ کس کو پیدا کیا۔ اس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اُس رب کا
نام لے کر پڑھو جو خالق ہے، جس نے ساری کائنات کو اور کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

۴۔ کائنات کی عام تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد خاص طور پر انسان کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس حقیر حالت سے
اُس کی تخلیق کی ابتدا کر کے اُسے پورا انسان بنایا۔ علق جمع ہے علقہ کی جس کے معنی جھے ہوئے خون کے ہیں۔ یہ وہ ابتدائی
حالت ہے جو استقرار محل کے بعد پہلے چند دنوں میں رونما ہوتی ہے، پھر وہ گوشت کی شکل اختیار کرتی ہے اور
اس کے بعد تندرینج اس میں انسانی صورت بننے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن،
جلد سوم، الحج، آیت ۵، حواشی ۵ تا ۷۔

۵۔ یعنی یہ اُس کا انتہائی کرم ہے کہ اس حقیر ترین حالت سے ابتدا کر کے اُس نے انسان کو صاحب علم بنایا جو

مخلوقات کی بلند ترین صفت ہے، اور صرف صاحب علم ہی نہیں بنایا، بلکہ اُس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن سکھایا جو

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَيِّطٌ ۖ ۱۰ أَنْ رَأَاهُ اسْتَغْنَى ۖ ۱۱ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَى ۖ ۱۲ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ۖ ۱۳ عَبْدًا إِذَا

ہرگز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے (حالانکہ) پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے۔ تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جبکہ

بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت، ترقی، اور نسل بعد نسل اُس کے بقا اور تحفظ کا ذریعہ بنا۔ اگر وہ الٹا طور پر انسان کو ظلم اور کثابت کے فن کا یہ علم نہ دیتا تو انسان کی علمی قابلیت ٹھوس کر رہ جاتی اور اُسے نشوونما پانے، پھیلنے اور ایک نسل کے علوم دوسری نسل تک پہنچنے اور اُس کے مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔

۱۰ یعنی انسان اصل میں بالکل بے علم تھا۔ اُسے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا اللہ کے دینے سے حاصل ہوا۔ اللہ ہی نے جس مرحلے پر انسان کے لیے علم کے جو دروازے کھولنے چاہے وہ اُس پر کھلتے چلے گئے۔ یہی بات ہے جو آیہ دیگر میں اس طرح فرمائی گئی ہے کہ لَا يَجْبُطُونَ رَيْسِي ۚ وَمَنْ عَلِيمٌ بِالْآيَاتِ مَا شَاءَ ۚ۔ ”اور لوگ اُس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اُس کے جو وہ خود چاہے“ (البقرہ - ۲۵۵)۔ جن جن چیزوں کو بھی انسان اپنی علمی دریافت سمجھتا ہے، درحقیقت وہ پہلے اس کے علم میں نہ تھیں، اللہ تعالیٰ ہی نے جب چاہا اُن کا علم اُسے دیا بغیر اس کے کہ انسان یہ محسوس کرتا کہ یہ علم اللہ اُسے دے رہا ہے۔

یہاں تک وہ آیات میں جو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنا نازل کی گئیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، یہ پہلا تجربہ اتنا سخت تھا کہ حضور اِس سے زیادہ کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے اس وقت عرف یہ بتانے پر اکتفا کیا گیا کہ وہ رب جس کو آپ پہلے سے جانتے اور مانتے ہیں، آپ سے براہ راست مخاطب ہے اس کی طرف سے آپ پر وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، اور آپ کو اس نے اپنا نبی بنا لیا ہے۔ اس کے ایک مدت بعد سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں آپ کو بتایا گیا کہ نبوت پر مامور ہونے کے بعد اب آپ کو کام کیا کرنا ہے۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد ششم، المدثر، دیا جاوے۔)

۱۱ یعنی ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ جس فدائے کریم نے انسان پر اتنا بڑا کرم فرمایا ہے اس کے مقابلہ میں وہ جہالت برت کر وہ رو بہ اختیار کرے جو اُس کے بیان ہو رہا ہے۔

۱۲ یعنی یہ دیکھ کر کہ مال، دولت، عزت و جاہ اور جو کچھ بھی دنیا میں وہ چاہتا تھا وہ اسے حاصل ہو گیا ہے، شکر گزار ہونے کے بجائے وہ سرکشی پر اتر آتا ہے اور مدد بندگی سے نجات دہ کرنے لگتا ہے۔

۱۳ یعنی خواہ کچھ بھی اس نے دنیا میں حاصل کر لیا ہو جس کے بل پر وہ فخر و اور سرکشی کر رہا ہے، آخر کار اسے جانا تو تیرے رب ہی کے پاس ہے۔ پھر اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس روش کا انجام کیا ہوتا ہے۔

صَلَّى ۝۵ أَرَعَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَى ۝۱۱ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى ۝۱۲
 أَرَعَيْتَ إِنْ كَذَبَ وَتَوَلَّى ۝۱۳ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى ۝۱۴ كَلَّا لَئِنْ
 لَمْ يَنْتَهَ ۝۱۵ لَسَفَعَا بِالتَّاصِيَةِ ۝۱۶ تَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۷

وہ نماز پڑھتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر (وہ بندہ) راہِ راست پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ منع کرنے والا شخص حق کو جھٹلاتا اور مست موزتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر اُسے کھینچیں گے، اُس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطا کا رہے۔

۱۱۔ بندے سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس طریقے سے حضور کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى (بنی اسرائیل - ۱) پاک ہے وہ جو ہے گیا اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ (الکہف - ۱) تعریف ہے اُس خدا کے لیے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی: وَأَنَّهُ لَتَتَّابِعُنَّ عِبدًا نَدْعُوهُ كَأَدَا يُكُونُ عَلَيْهِ لَيْدًا (الرحمن - ۱۹) اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اُس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص محبت کا انداز ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتا ہے۔ علاوہ بریں اس سے بہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب پر سرفراز فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھا دیا تھا۔ اُس طریقے کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے کہ اسے نبی تم اس طرح نماز پڑھا کرو۔ لہذا یہ اس امر کا ایک اور ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف وحی نازل نہیں ہوتی تھی جو قرآن میں درج ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے آپ کو ایسی باتوں کی تعلیم دی جاتی تھی جو قرآن میں درج نہیں ہیں۔

۱۲۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر انصاف پسند شخص مخاطب ہے۔ اُس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے دیکھی اس شخص کی حرکت جو خدا کی عبادت کرنے سے ایک بندے کو روکتا ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ بندہ راہِ راست پر ہو، یا لوگوں کو خدا سے ڈرنے اور برے کاموں سے روکنے کی کوشش کرنا ہو، اور یہ منع کرنے والا شخص کو جھٹلاتا اور اُس سے منہ موزتا ہو، تو اُس کی یہ حرکت کیسی ہے؟ کیا یہ شخص بہ روش اختیار کر سکتا تھا اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے کو بھی دیکھ رہا ہے جو نیکی کا کام کرتا ہے اور اس کو بھی دیکھ رہا ہے جو حق کو جھٹلانے اور اُس سے روگردانی کرنے میں لگا ہوا ہے؟ ظالم کے ظلم اور مظلوم کی مظلومی کو اللہ تعالیٰ کا دیکھنا خود اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ ظالم کو مزاد سے گا اور مظلوم کی داد دی کرے گا۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝۱۴ سَدْعُ الزَّبَانِيَةِ ۝۱۸ كَلَّا لَا تَطِعَهُ
وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹

وہ بلائے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ ہرگز نہیں، اُس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔

۱۴ یعنی یہ شخص جو دھکی دیتا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھیں گے تو وہ ان کی گردن کو پاؤں سے دبا دے گا، یہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا۔

۱۵ پیشانی سے مراد یہاں پیشانی والا شخص ہے۔

۱۶ جیسا کہ ہم نے دیا چہ میں بیان کیا ہے ابو جہل کے دھکی دینے پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھڑک دیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ اے محمد، تم کس میں پر مجھے ڈراتے ہو، خدا کی قسم اس وادی میں میرے حمایتی سب سے زیادہ ہیں۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بلائے اپنے حمایتیوں کو۔

۱۷ اصل میں زبانیہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو فقہاء کی تشریح کے مطابق کلام عرب میں پولیس کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور زبانی کے اصل معنی دھکا دینے کے ہیں۔ بادشاہوں کے ہاں چوہدار بھی اسی غرض کے لیے ہوتے تھے کہ جس پر بادشاہ ناراض ہوا سے وہ دھکے دے کر نکال دیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے حمایتیوں کو بلائے، ہم اپنی پولیس، یعنی ملائکہ عذاب کو بلا لیں گے کہ وہ اس کی اور اس کے حمایتیوں کی خبر لیں۔

۱۸ سجدہ کرنے سے مراد نماز ہے۔ یعنی اسے نبی، تم بے خوف اسی طرح نماز پڑھتے رہو جس طرح پڑھتے رہے ہو، اور اس کے ذریعہ سے اپنے رب کا قرب حاصل کرو۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ ”بندہ سب سے زیادہ اپنے رب سے اُس وقت قریب ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔“ اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت بھی آئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے تھے تو سجدہ تلاوت ادا فرماتے تھے۔